جناب صدر محترم کے اس حکم کی رو سے اعلیٰ عدالتوں کے جج صاحبان کے لئے ضروری قرار دیا گیا ہے کہ وہ عدالتوں میں مقدمات کی سماعت کرتے وقت نیز سرکاری یا رسمی تقاریب میں شرکت کے موقع پر قومی لباس یعنی کالی شیروانی پیٹیوں کے بغیر استعمال کریں گے۔ اور اگر کوئی جج ہیڈ گیئر (HEAD GEAR) استعمال کرتا ہو تو وہ کالے رنگ کی قائد (جناح) کیپ ہونی چاہیئے۔

ججوں کو مائی لارڈ یا یور لارڈ شپ اور اس طرح کے دیگر الفاظ سے خطاب کرنا بھی مذکورہ بالا صدارتی حکم کے ذریعے منسوخ قرار دیا گیا ہے۔ ان الفاظ کے بجائے آئندہ ججوں کو سر، یا جناب والا یا جناب عالی کے الفاظ سے خطاب کیا جائے گا۔ فیصلوں اور خط و کتابت میں ان کے لئے مسٹر جسٹس فلاں یا اسی طرح کے کوئی اور الفاظ استعمال کئے جائیں گے۔

پاکستان میں اس قانون کے نفاذ کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے نو آبادیاتی طرز کے عدالتی لباس اور طریق خطاب کو خیر باد کہہ کر عدلیہ کے دائرہ میں اسلامی روایات کے احیاء کا عمل شروع کر دیا ہے۔

زیر غور اقدامات

اسلامی نظریاتی کونسل نے قصاص اور دیت کے اسلامی قانون کا ایک نہایت جامع اور مفصل مسودہ قانون تیار کیا ہے، جو اس وقت حکومت کے زیر غور ہے۔ اس طرح کونسل نے حق شفعہ کے قانون کا مسودہ بنا کر حکومت کی خدمت میں پیش کر دیا ہے۔ جو اس کے زیر غور ہے امید ہے کہ یہ دونوں قوانین مستقبل قریب میں نافذ کر دئے جائیں گے آجکل کونسل اسلامی قانونِ شہادت کی تدوین پر کام کر رہی ہے۔

اختتامیہ

مندرجہ بالا تفصیلات سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ اسلامی نظریاتی کونسل نے ملک میں نفاذ شریعت اسلامیہ کے لئے اب تک جو اقدامات کئے ہیں، اور اس وقت جو تجاویز اس کے زیر غور ہیں ان کے دور رس نتائج بر آمد ہوں گے۔

Fikr-o-Nasar (Islamabad) 20:9-10 (1983)

قرار دادِ مقاصد سے اسلامی قانون تک

حفیظ الرحمن صدیقی

برطانوی عہد میں برصغیر ہند میں ۱۹۳۵ء کا ایکٹ (دستور) نافذ العمل تھا۔ یہ ایک شہنشاہی آئین تھا۔ پاکستان کو ایک آزاد اسلامی مملکت بنانے کے لئے اس ایکٹ کی جگہ پر ایک نیا دستور بنانا اولین آئینی ضرورت تھی۔ مگر پاکستان کے قیام کے بعد نظر آنے لگا کہ ارباب حکومت کی طرف سے اس بات کو کافی سمجھا جاتا ہے کہ ۱۹۳۵ء کے ایکٹ میں صرف اتنی ترمیمات پر اکتفا کیا جائے جس سے اس آئین پر سے برطانوی حکومت کی چھاپ ختم ہو جائے۔ اس کے بعد یہی ایکٹ پاکستان کا مستقل دستور رہے۔ مگر ایسا کرنا پاکستان کے مقصد سے بدعہدی اور گریز کے مترادف ہوتا۔ سب سے پہلے مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے اس بنیادی مسئلے کی طرف توجہ کی۔ ۱۹۴۸ء میں کراچی اور دوسرے شہروں میں جلسے منعقد کر کے یہ قرار دادیں منظور کرائیں کہ حکومت کم سے کم اس بات کا اعلان کر دے کہ پاکستان کو اسلامی مملکت بنایا جائے گا۔

حکومت کے اندر مولانا شبیر احمد عثمانی نظام اسلامی کے لئے کوشاں رہے اور انہیں اندرونی محاذ پر لادینی خیالات رکھنے والے لوگوں سے سخت اور مایوس کن مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ آخر کار یہ طے ہوا کہ دستور ساز اسمبلی میں ایک قرار داد اس مضمون کی منظور کی جائے گی کہ ملک کا آئین اسلامی تعلیمات کے مطابق ہوگا۔ قرار داد کا مضمون تصنیف کرنے کی ذمہ داری مولانا شبیر احمد عثمانی کے

سپرد کی گئی۔ یہ قرارداد ۱۲ مارچ ۱۹۴۹ء کو دستور ساز اسمبلی پاکستان میں منظور کروائی گئی۔ اس قرارداد میں اس امر کا اقرار کیا گیا تھا کہ حاکمیت اللہ تعالیٰ کی ہے لہٰذا پاکستان کا آئین اسلام کے مطابق ہوگا اور مسلمانان پاکستان کو اس لائق بنایا جائے گا کہ وہ اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی اسلام کی تعلیمات کے مطابق بسر کریں۔ قرارداد مقاصد کا مکمل متن درج ذیل ہے۔

چونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہی کل کائنات کا بلا شرکت غیرے حاکم مطلق ہے اور اس نے جمہور کی وساطت سے مملکت پاکستان کو اختیار حکمرانی اپنی مقرر کردہ حدود کے اندر استعمال کرنے کے لئے نیابتاً عطا فرمایا ہے اور چونکہ یہ اختیار حکمرانی ایک مقدس امانت ہے لہٰذا جمہور پاکستان کی نمائندہ یہ مجلس دستور ساز فیصلہ کرتی ہے کہ آزاد اور خود مختار مملکت پاکستان کے لئے ایک دستور مرتب کیا جائے۔

الف۔ جس کی رو سے جملہ حقوق و اختیارات حکمرانی جمہور کے منتخب کردہ نمائندوں کے ذریعے استعمال کرے۔

ب۔ جس میں اصول جمہوریت و حریت و مساوات و رواداری اور عدل عمرانی کو جس طرح اسلام نے ان کی تشریح کی ہے پورے طور پر ملحوظ رکھا جائے۔

ج۔ جس کی رو سے مسلمانوں کو اس قابل بنایا جائے کہ وہ انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنی زندگی کو اسلامی تعلیمات و مقتضیات کے مطابق جو قرآن مجید اور سنت رسول میں متعین ہیں ترتیب دے سکیں۔

د۔ جس کی رو سے اس امر کا قرار واقعی انتظام کیا جائے کہ اقلیتیں آزادی کے ساتھ اپنے مذہبوں پر عقیدہ رکھ سکیں اور ان پر عمل کر سکیں اور اپنی ثقافتوں کو ترقی دے سکیں۔

ہ۔ جس کی رو سے وہ علاقے جو اب پاکستان میں داخل ہیں یا شامل ہو گئے ہیں اور ایسے دیگر علاقے جو آئندہ پاکستان میں داخل یا شامل ہو جائیں ایک وفاق بنائیں جس کے ارکان مقررکردہ حدود اربعہ و متعینہ اختیارات کے تحت خود مختار ہوں۔

ح۔ جس کی رو سے بنیادی حقوق کی ضمانت کی جائے اور ان حقوق میں قانون و اخلاق کے ماتحت مساوات حیثیت و مواقع، قانون کی نظر میں برابری، عمرانی اقتصادی اور سیاسی عدل، اظہار خیال، عقیدہ، دین، عبادت اور ارتباط کی آزادی شامل ہو۔

خ۔ جس کی رو سے اقلیتوں اور پس ماندہ و پست طبقوں کے جائز حقوق کے تحفظ کا قرار واقعی انتظام کیا جائے۔

د۔ جس کی رو سے وفاق کے علاقوں کی صیانت، اس کی آزادی اور اس کے جملہ حقوق کا جن میں اس کے بحر و بر اور فضا پر سیادت کے حقوق شامل ہیں تحفظ کیا جائے، تاکہ اہل پاکستان فلاح و خوشحالی کی زندگی بسر کر سکیں اور اقوام عالم کی صف میں اپنا جائز و ممتاز مقام حاصل کر سکیں۔ اور اقوام عالم کی صف میں اپنا جائز و مختار حاصل کر سکیں۔ اور امن عالم کے قیام اور بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود میں کما حقہ اضافہ کر سکیں۔

اس قرارداد کی منظوری کے بعد ملک بھر میں اطمینان اور مسرت کا اظہار کیا گیا کیونکہ اس کی منظوری کے بعد سے پاکستان کی مملکت نظری طور پر ایک اسلامی مملکت بن گئی تھی۔ اس قرارداد کی حیثیت مملکت کے لئے وہی تھی جو کسی غیر مسلم کے لئے اسلام قبول کرنے میں کلمہ کی ہوتی ہے۔

۱۹۵۰ء کی دستوری رپورٹ اور اس کا استرداد

اس کے بعد کا مرحلہ دستور سازی کا تھا۔ قرارداد مقاصد کے بموجب اسلامی خطوط پر دستور مرتب کرنے کے لئے حکومت نے قرآن و سنت کے ماہرین پر مشتمل تعلیمات اسلامی بورڈ تشکیل دیا۔ اس میں مولانا ظفر احمد انصاری، مفتی محمد شفیع اور دیگر بلند پایہ علماء شامل کئے گئے۔ ایک اور کمیٹی بنائی گئی جس کے سپرد یہ کام ہوا کہ وہ اسمبلی میں پیش کرنے کے لئے دستور کا مسودہ مرتب کرے اور اسلامی تعلیمات کے بورڈ کی سفارشات کو اس طریقے پر سموئے کہ دستور کا خاکہ اسلامی تعلیمات کے مطابق ہو جائے۔ دستور کا مسودہ تیار کرنے والی یہ کمیٹی بنیادی اصولوں کی کمیٹی کہلائی۔ اس کا مرتب کردہ دستوری مسودہ، ستمبر ۱۹۵۰ء کو منظر عام پر آیا۔ اسلام کے متعلق اس کے اندر سوائے اس کے کچھ نہ تھا کہ ہر مسلمان کے لئے قرآن کی تعلیم لازمی ہوگی۔ اس میں تعلیمات اسلامی بورڈ کی ایک بھی سفارش کو شامل نہیں کیا گیا تھا۔

یہ مسودہ جب منظر عام پر آیا تو ہر طبقہ خیال نے اس کی مخالفت کی۔ قومی اخبارات اور علمائے

کرام بھی اس کو دیکھ کر ناخوش ہوئے کیونکہ یہ دستوری مسودہ ان تمام اوصاف سے خالی تھا جس کا اسے قرارداد مقاصد کے زیر اثر حامل ہونا چاہیئے تھا۔ علمائے کرام میں سے مولانا ظفر احمد عثمانی، مولانا احتشام الحق تھانوی اور مولانا محمد اسماعیل وغیرہ نے اس پر سخت تنقید کی۔

بورڈ کے ارکان نے ۱۴ اکتوبر ۱۹۵۰ء کو ایک مشترکہ بیان کے ذریعے اپنے مؤقف کی وضاحت کی اور کہا کہ ہم نے جو سفارشات پیش کی تھیں وہ قرآن و سنت کے مطابق تھیں مگر ان سفارشات کے ردوبدل کا اختیار بنیادی اصولوں کی کمیٹی کو تھا لہٰذا اس سے عوام کو جو شکایات ہیں اس کے لئے وہاں سے رجوع کریں۔ جہاں تک ہمارا معاملہ ہے ہم اسی مقام پر کھڑے ہیں جہاں تمام مسلمان ہیں اور اس امر کے لئے مضطر ہیں کہ پاکستان کا آئین قرارداد مقاصد کے تقاضوں کے مطابق خالص اسلامی اصولوں کی بنیاد پر مرتب کیا جائے۔ (جنگ ۱۴ اکتوبر ۱۹۵۰ء)

اس رپورٹ پر سب سے جامع تنقید مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے کی انہوں نے ۱۴ اکتوبر ۱۹۵۰ء کو لاہور میں ایک جلسہ عام میں فرمایا کہ

"اس میں حکومت پر کوئی ایسی ذمہ داری نہیں ڈالی گئی ہے کہ قرآن کے بتلائے ہوئے معروفات کو قائم کرنا اور منکرات کو مٹانا اس کا فرض ہوگا صرف اس بات کو کافی سمجھا گیا کہ مسلمانوں کے لئے قرآن کی تعلیم لازمی ہوگی۔"

اس رپورٹ کے خلاف ملک کے شدید ردعمل کو دیکھ کر حکومت اسے واپس لینے پر مجبور ہوگئی اور وعدہ کیا گیا کہ از سرنو دستوری خاکہ مرتب کیا جائے گا۔ اس وقت یہ اشکال بھی سامنے آیا کہ مسلمانوں کے تو بے شمار فرقے ہیں یہ خود کسی بات پر آپس میں متفق نہیں ہوتے۔ ایسی صورت میں کس طرح ایسا دستوری مسودہ تیار کیا جائے جسے سب فرقے اسلامی سمجھیں۔ یہ درحقیقت علمائے کرام کے لئے ایک بہت بڑا چیلنج تھا علمائے کرام نے اس چیلنج کو قبول کیا جنوری ۱۹۵۱ء میں مختلف مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والے ۳۱ اکابر علماء کا کراچی میں اجلاس منعقد ہوا۔ ان میں دیوبندی، بریلوی، اہل حدیث، شیعہ غرض یہ کہ پاکستان میں بسنے والے تمام مسلم مکاتب فکر کے نمائندے شریک تھے اور یہ سب جدا جدا دینی جماعتوں سے تعلق رکھتے تھے جن میں اس وقت

کی قابل ذکر جماعتیں ، جمعیت اسلام ، جمعیت علمائے پاکستان ، جمعیت اہل حدیث ، جماعت اسلامی وغیرہ سب تھیں ۔

ان سب نے کامل اتفاق رائے کے ساتھ اسلامی دستور کے بنیادی اصول تیار کئے ۔ یہ بنیادی اصول ۲۲ نکات پر مشتمل ہیں ۔ ان میں اسلامی ریاست کے نظریہ اساسی ، اسلامی قانون کے ماخذ اساسی معروف کے فروغ اور منکر کے انسداد میں ریاست کی ذمہ داری ، شہریوں کے لئے بنیادی ضروریات زندگی کی فراہمی ، بنیادی شہری آزادیوں کے تحفظ اکتساب رزق کی آزادی ، ترقی کے مواقع میں یکسانیت ، اتحاد عالم اسلامی اور دیگر امور کے لئے رہنما اصول مرتب کئے گئے تھے ۔

مختلف فرقوں کے مابین پائے جانے والے اختلافات کو جسے اسلامی دستور کی راہ میں بڑی دشواری قرار دیا جا رہا تھا ، ۲۲ نکاتی فارمولے کی صرف ایک شق میں نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ طے کر دیا گیا تھا ۔ اس شق کی پوری عبارت یہ ہے :-

" مسلمہ اسلامی فرقوں کو حدود قانون کے اندر پوری مذہبی آزادی ہوگی ۔ انہیں اپنے پیروؤں کو اپنے مذہب کی تعلیم دینے کا حق حاصل ہوگا ۔ وہ اپنے خیالات کی آزادی کے ساتھ اشاعت کر سکیں گے ۔ ان کے شخصی معاملات کے فیصلے ان کے اپنے فقہی مذہب کے مطابق ہوں گے اور ایسا انتظام کرنا مناسب ہوگا کہ ان ہی کے قاضی یہ فیصلے کریں ۔ "

۲۲ نکات کا مکمل متن درج ذیل ہے ۔

۱ - اصل حاکم تشریعی و تکوینی حیثیت سے اللہ رب العزت ہے ۔

۲ - ملک کا قانون کتاب و سنت پر مبنی ہوگا اور کوئی ایسا قانون نہ بنایا جائے گا نہ کوئی ایسا انتظامی حکم دیا جائے گا جو کتاب و سنت کے خلاف ہو ۔

۳ - یہ ملک کسی جغرافیائی ، نسلی یا کسی اور تصور پر نہیں بلکہ ان اصول و مقاصد پر مبنی ہوگا جن کی اساس اسلام کا پیش کیا ہوا ضابطۂ حیات ہے ۔

۴ - اسلامی مملکت کا یہ فرض ہوگا کہ قرآن و سنت کے بنائے ہوئے معروفات کو قائم کرے منکرات کو مٹائے اور شعائر اسلامی کے احیاء اور مسلمہ اسلامی فرقوں کو ان کے اپنے مذہب کے مطابق ضروری

تعلیم کا انتظام کرے۔

۵۔ اسلامی مملکت کا یہ فرض ہوگا کہ وہ مسلمانان عالم کے رشتۂ اتحاد و اخوت کو قوی سے قوی تر کرے اور ریاست کے مسلم باشندوں کے درمیان عصبیت جاہلیہ کی بنیاد پر نسلی، لسانی، علاقائی یا دیگر مادی امتیازات کے ابھرنے کی راہیں مسدود کر کے ملت اسلامیہ کی وحدت کے تحفظ و استحکام کا انتظام کرے۔

۶۔ مملکت بلا امتیاز مذہب و نسل وغیرہ تمام ایسے لوگوں کی انسانی ضروریات یعنی غذا، لباس، مسکن، معالجہ، اور تعلیم کی کفیل ہوگی۔ جو اکتساب رزق کے قابل نہ ہوں یا نہ رہے ہوں، یا عارضی طور پر بے روزگاری، بیماری یا دوسرے وجوہ سے فی الحال سعی اکتساب پر قادر نہ ہوں۔

۷۔ باشندگان ملک کو وہ تمام حقوق حاصل ہوں گے جو شریعت اسلامیہ نے ان کو عطا کیے ہیں یعنی حدود قانون کے اندر تحفظ جان و مال و آبرو، آزادی مذہب و مسلک، آزادی عبادت، آزادی ذات، آزادی اظہار رائے، آزادی نقل و حرکت، اجتماع، آزادی اکتساب رزق، ترقی کے مواقع میں یکسانی اور رفاہی اداروں سے استفادے کا حق۔

۸۔ مذکورہ بالا حقوق میں سے کسی شہری کا کوئی حق اسلامی قانون کے سند جواز کے بغیر کسی وقت سلب نہ کیا جائے گا۔ اور کسی جرم کے الزام میں کسی کو بغیر فراہمی موقع صفائی و فیصلہ عدالت کوئی سزا نہ دی جائے گی۔

۹۔ مسلمہ اسلامی فرقوں کو حدود قانون کے اندر پوری مذہبی آزادی حاصل ہوگی۔ انہیں اپنے پیروؤں کو اپنے مذہب کی تعلیم دینے کا حق حاصل ہوگا۔ ان کے شخصی معاملات کے فیصلے ان کے اپنے فقہی مذہب کے مطابق ہوں گے۔ اور ایسا انتظام کرنا مناسب ہوگا کہ ان ہی کے قاضی یہ فیصلے کریں۔

۱۰۔ غیر مسلم باشندگان مملکت کو حدود قانون کے اندر مذہب و عبادت، تہذیب و ثقافت اور مذہبی تعلیم کی پوری آزادی ہوگی اور انہیں اپنے شخصی معاملات کے فیصلے اپنے مذہبی قانون یا رسم و رواج کے مطابق کرانے کا حق حاصل ہوگا۔

۱۱۔ غیر مسلم باشندگان مملکت سے حدود شرعیہ کے اندر جو معاہدات کیے گئے ہوں ان کی پابندی لازمی ہوگی اور جن حقوق شہری کا ذکر دفعہ نمبر ۷ میں کیا گیا ہے ان میں غیر مسلم باشندگان

ملک اور مسلم باشندگان ملک برابر کے شریک ہوں گے۔

۱۲۔ رئیس مملکت کا مسلمان مرد ہونا ضروری ہے۔ جس کے تدین، صلاحیت اور اصابت رائے پر جمہور یا ان کے منتخب نمائندوں کو اعتماد ہو۔

۱۳۔ رئیس مملکت ہی نظم مملکت کا اصل ذمہ دار ہوگا۔ البتہ وہ اپنے اختیارات کا کوئی جزو کسی فرد یا کسی جماعت کو تفویض کر سکتا ہے۔

۱۴۔ رئیس مملکت کی حکومت مستبدانہ نہیں بلکہ شورائی ہوگی یعنی وہ ارکان حکومت اور منتخب نمائندگان جمہور سے مشورہ لے کر اپنے فرائض انجام دے گا۔

۱۵۔ رئیس مملکت کو یہ حق نہ ہوگا کہ وہ دستور کو کلاً یا جزواً معطل کر کے شوریٰ کے بغیر حکومت کرنے لگے۔

۱۶۔ جو جماعت رئیس مملکت کے انتخاب کی مجاز ہوگی وہی کثرت رائے سے اسے معزول کرنے کی بھی مجاز ہوگی۔

۱۷۔ رئیس مملکت شہری حقوق میں عامۃ المسلمین کے برابر ہوگا اور قانونی مواخذہ سے بالاتر نہ ہوگا۔

۱۸۔ ارکان و عمال حکومت اور شہریوں کے لئے ایک ہی قانون و ضابطہ ہوگا اور دونوں پر عام عدالتیں محکمہ انتظامیہ سے علیحدہ اور آزاد ہوگا تاکہ عدلیہ اپنے فرائض کی انجام دہی میں انتظامیہ سے اثر پذیر نہ ہو۔

۱۹۔ مملکت کے مختلف ولایات و اقطاع و اشاعِ مملکت واحدہ کے اجزاء انتظامی متصور ہوں گے۔ ان کی حیثیت نسلی، لسانی یا قبائلی واحدہ جات کی نہیں بلکہ انتظامی علاقوں کی ہوگی جنہیں انتظامی سہولتوں کے پیش نظر مرکزی سیادت کے تابع انتظامی اختیارات سپرد کرنا جائز ہوگا۔ مگر انہیں مرکز سے علیحدگی کا حق حاصل نہ ہوگا۔

۲۰۔ مملکت میں ایسے افکار و نظریات کی تبلیغ و اشاعت ممنوع ہوگی جو مملکت اسلامی کے اساسی اصول و مبادی کے انہدام کا باعث ہوں۔

۲۲۔ دستور کی کوئی ایسی تعبیر معتبر نہ ہوگی جو کتاب و سنت کے خلاف ہو۔

اس بائیس نکاتی دستاویز کو اتفاق رائے سے تیار کرنے والے علماء کرام کے جو مختلف فقہی مکاتب سے تعلق رکھتے ہیں۔ اسمائے گرامی یہ ہیں۔

۱۔ مولانا سید سلیمان ندوی
۲۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی
۳۔ مولانا بدر عالم
۴۔ مولانا احتشام الحق تھانوی
۵۔ مولانا شمس الحق افغانی
۶۔ مولانا عبدالحامد بدایونی
۷۔ مولانا مفتی محمد شفیع
۸۔ مولانا محمد ادریس کاندھلوی
۹۔ مولانا خیر محمد
۱۰۔ مولانا مفتی محمد حسن
۱۱۔ پیر محمد امین الحسنات
۱۲۔ مولانا محمد یوسف بنوری
۱۳۔ حاجی محمد امین
۱۴۔ مولانا عبدالصمد سربازی
۱۵۔ مولانا اطہر علی
۱۶۔ مولانا حبیب الرحمٰن
۱۷۔ علامہ راغب احسن
۱۸۔ پیر ابو جعفر محمد صالح
۱۹۔ مولانا محمد علی جالندھری
۲۰۔ علامہ داؤد غزنوی
۲۱۔ علامہ جعفر حسین مجتہد
۲۲۔ علامہ کفایت حسین مجتہد
۲۳۔ مولانا احمد علی
۲۴۔ مولانا محمد صادق
۲۵۔ مولانا محمد اسماعیل
۲۶۔ مولانا حبیب اللہ
۲۷۔ مولانا عبدالحق
۲۸۔ مولانا شمس الحق فرید پوری
۲۹۔ مولانا مفتی صاحب داد
۳۰۔ مولانا ظفر احمد انصاری
۳۱۔ پیر ہاشم جان سرہندی

۱۹۵۲ء کی دستوری رپورٹ۔ عوام کی تاریخی فتح

۷ ستمبر ۱۹۵۰ء کی بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی رپورٹ واپس لینے کے بعد تقریباً ۲۲ ماہ تک حکومت کی

طرف سے خاموشی رہی۔ مولانا مودودی نے ۵ مئی ۱۹۵۲ء کو کراچی میں ایک جلسہ عام میں حکومت سے مطالبہ کیا کہ رواں سال کے اختتام تک وہ دستور سازی کا کام مکمل کرلے۔ انہوں نے آٹھ نکات پر مشتمل رہنما اصول بھی پیش کیے جن پر مطلوبہ دستور تیار کیا جا سکتا تھا۔ یہ آٹھ نکاتی مطالبہ ۲۲ نکاتی فارمولے سے مختلف کوئی چیز نہ تھا بلکہ اس کی تلخیص تھا۔ اس میں اس امر کا بھی مطالبہ کیا گیا تھا کہ دستور میں ہر شخص کی بنیادی ضروریات زندگی یعنی غذا، لباس، مکان، علاج اور تعلیم کی فراہمی کی ضمانت دی جائے۔

اس تقریر کے بعد مولانا نے اسلامی دستور کی تیاری کے لئے ملک گیر مہم شروع کی۔ پاکستان کے طول و عرض میں جلسے کئے گئے اور اس مطالبے کی حمایت میں دستخطی مہم بھی شروع کی گئی۔ پاکستان کے قریے قریے سے لاکھوں کی تعداد میں محضر نامے حکومت کے پاس بھیجے گئے۔

آخر جولائی ۱۹۵۲ء میں حکومت نے دستوری مسودہ مرتب کرنے کے لئے ایک دوسری کمیٹی بنائی یہ بھی بنیادی اصولوں کی کمیٹی کہلائی اور اس نے دستوری مسودہ مرتب کرنے کا کام شروع کر دیا۔

اس مہم کے دوران قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی تحریک چلی آٹھ نکاتی مطالبے میں بھی اس نکتے کا اضافہ کیا گیا کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے تاکہ پاکستان کی کلیدی اسامیوں پر ان کے تسلط کا سدباب ہو سکے اور وطن عزیز ان کی فتنہ سامانیوں سے محفوظ ہو جائے۔

بنیادی اصولوں کی کمیٹی نے جب اپنی رپورٹ تیار کر لی تو حکومت کی جانب سے اس رپورٹ کو ۲۲ نومبر ۱۹۵۲ء کو منظر عام پر لانے کا اعلان کیا گیا۔ نومبر میں ملک بھر میں ہفتہ دستور اسلامی منایا گیا اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے کراچی میں ۲۰ نومبر ۱۹۵۲ء کو ایک جلسہ عام منعقد کر کے یہ اعلان کیا کہ اگر دستوری مسودہ علمائے کرام کے ۲۲ نکات کے مطابق نہ ہوا تو اسے مسترد کر دیا جائے گا۔ حکومت نے رپورٹ کی اشاعت ایک ماہ کے لئے ملتوی کر دی اور اس مدت میں رپورٹ میں رد و بدل کر کے اس کو بہتر بنایا گیا اور اس میں صراحت کیساتھ یہ بات شامل کی گئی کہ ملک کا دستور قرآن و سنت کے مطابق ہوگا۔ رپورٹ میں

یہ بھی کہا گیا کہ کسی قانون کے اسلامی ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ کرنے کے لئے علماء کرام کا ایک بورڈ مقرر کیا جائے گا۔ حکومت اس امر کی کوشش کرے گی کہ کوئی شخص غذا، لباس، مکان، علاج اور تعلیم سے محروم نہ رہنے پائے۔ صدر ریاست مسلمان ہوگا، اور اس کا متقی ہونا ضروری ہوگا۔ عدلیہ کو انتظامیہ سے علیحدہ رکھا جائے گا۔ کورٹ فیس بند کردی جائے گی۔ صدر ریاست اور ارکان اسمبلی اس امر کا حلف لیں گے کہ وہ پبلک اور پرائیویٹ زندگی میں قرآن و سنت کے پابند ہوں گے۔ قرآن کریم کی تعلیم لازمی ہوگی۔ مزدوروں اور کسانوں کے حقوق کے لئے ایک منصفانہ معیار قائم کیا جائیگا وغیرہ وغیرہ۔

حکومت نے رپورٹ ۲۲ دسمبر ۱۹۵۲ء کو شائع کی۔ ۱۱ جنوری ۱۹۵۳ء کو علماء کرام کراچی میں ایک بار پھر جمع ہوئے اور اٹھارہ جنوری تک اس پر غور و خوض کیا۔ اس اجلاس میں صرف وہ علمائے کرام مدعو تھے جنہوں نے ۲۲ نکاتی فارمولا مرتب کرنے میں حصہ لیا تھا۔ انہوں نے رپورٹ کو بنیادی طور پر ۲۲ نکاتی فارمولے سے بہت قریب پایا۔ یہ ۱۹۵۰ء کی رپورٹ سے ہزار درجہ بہتر تھی مگر اس پر بہت سی خامیاں بھی تھیں۔ علمائے کرام نے خامیوں کو دور کرنے کے لئے اپنی تجاویز مرتب کرکے حکومت کو بھیج دیں۔ ان سفارشات میں اس بات پر زور دیا گیا کہ حکومت جن منکرات کو مٹانا چاہتی ہے ان کے لئے مدت کا تعین کردے۔

عوام کے دیگر حلقوں نے بھی رپورٹ پر پسندیدگی کا اظہار کیا۔ چنانچہ دستور ساز اسمبلی نے رپورٹ پر غور و خوض شروع کر دیا۔ مگر محمد علی بوگرہ نے جن کو اسی زمانے میں وزیر اعظم کا عہدہ تفویض کیا گیا ہے طے کیا کہ دستور سازی کا کام "سردست" روک دیا جائے اور کام چلانے کے لئے ۱۹۳۵ء کے ایک ایکٹ میں ضروری ترمیمات کرکے اسے عارضی دستور کی حیثیت سے اختیار کر لیا جائے۔ یہ اسکیم جب منظر عام پر آئی تو عامۃ المسلمین نے اس کی زبردست مخالفت کی۔ ملک کے طول و عرض میں جلسے ہوئے جن میں کہا گیا کہ ملک کا نظام پہلے ہی سے ۱۹۳۵ء کے ایکٹ کے تحت چل رہا ہے۔ لہذا عارضی دستور بنانے کی ضرورت نہیں بلکہ دستور مستقل بنے اور ۱۹۵۲ء والی سفارشات کے بموجب ہو۔

۱۹۵۴ء کا دستوری مسودہ اور اسمبلی کی برطرفی

ناچار محمد علی بوگرہ نے دستور سازی کا سلسلہ پھر سے شروع کیا یہاں تک کہ ۱۹۵۴ء کے وسط تک دستور سازی کی دو خواندگیاں مکمل ہو گئیں۔ صرف تیسری خواندگی باقی رہ گئی جو صرف چند ہفتوں کا کام تھی۔ اس کے نفاذ کے لئے ۲۵ دسمبر ۱۹۵۴ء کی تاریخ مقرر کر لی گئی تھی

۲۴ اکتوبر ۱۹۵۴ء کو دستور ساز اسمبلی کو غیر نمائندہ قرار دے کر توڑ دیا گیا۔ اس کی جگہ مئی ۱۹۵۵ء میں نئی دستور ساز اسمبلی بنائی گئی مگر اسمبلی توڑنے کا اقدام ملک کے لئے دو بڑے نقصانات پیدا کرنے کا موجب بنا۔ ایک نقصان یہ ہوا کہ دستور سازی کی، سالہ کوشش پر جو اب کامیابی سے ہمکنار ہونے والی تھی پانی پھر گیا۔ دوسرا نقصانات مقدمے بازی کے نتیجے میں رونما ہوا کہ ملک ایک بدترین قسم کے آئینی بحران میں مبتلا ہو گیا۔

۱۹۵۶ء کا دستور۔ عوامی امنگوں کا مظہر

فیڈرل کورٹ کے مشورے کے بموجب مئی ۱۹۵۵ء میں نئی اسمبلی بنائی گئی۔ اسے عام انتخابات کے ذریعے منتخب کرانا اس وقت ممکن نہ تھا اس لئے یہ طریقہ تلاش کیا گیا کہ صوبائی اسمبلیوں کے ارکان ووٹوں کے ذریعے صوبائی اسمبلی کے ارکان میں سے دستور ساز اسمبلی کے لئے ارکان منتخب کئے جائیں چنانچہ اس طریقے کے مطابق اسی (۸۰) ارکان پر مشتمل اسمبلی بنا دی گئی اور ۷ جولائی ۱۹۵۵ء سے اس نے اپنا کام شروع کر دیا۔

ان دنوں ملک کے وزیر اعظم چودھری محمد علی تھے۔ وہ اگرچہ نہایت مخلص مسلمان تھے۔ اسلامی دستور کے دل سے خواہاں تھے۔ مگر اسمبلی کی ہیئت ترکیبی میں یہ ناموافق تبدیلی ان کے کام کی راہ میں سخت رکاوٹ تھی۔ مشرقی پاکستان سے منتخب ہو کر آنے والے ارکان نے ایک اور مسئلے کا بھی اضافہ کر دیا تھا۔ وہ یہ کہ وہ زیادہ صوبائی خود مختاری کے خواہاں تھے۔ ان دشوار گزار حالات میں دستور بنانا سخت مشکل کام تھا۔ مگر چودھری صاحب کا تدبر اور ان کی صلاحیت کام آئی۔ انہوں نے ان سب مشکلات پر قابو پا لیا اور ایک دستوری مسودے پر سب کو متفق کر دیا یہاں تک کہ مشرقی پاکستان کے ارکان کو اس بات پر بھی آمادہ کر لیا کہ وہ آبادی میں زیادہ ہونے کے باوجود دستور ساز اسمبلی میں مغربی پاکستان کے برابر نشستیں قبول کر لیں گے۔

دستور کو غالب طور پر اسلامی رنگ دیا گیا۔ قرارداد مقاصد دستور کا سنگ بنیاد بنی اور دستور میں قرار پایا کہ مملکت کا نام "اسلامی جمہوریہ پاکستان" ہوگا۔ سربراہ مملکت مسلمان ہوگا۔ قرآن و سنت کے منافی تمام قوانین کو منسوخ کر دیا جائے گا۔ موجودہ قوانین کے لئے راہِ عمل مرتب کرنے کی غرض سے دستور کے نفاذ کے ایک سال کے اندر اندر اسلامی نظریاتی کونسل قائم کی جائے گی جو پانچ سال کے اندر اندر اس کام کو مکمل کرنے کی پابند ہوگی۔ مسلمانوں کو اس لائق بنایا جائے گا کہ وہ اسلام کی تعلیمات کے مطابق زندگی گزار سکیں۔ قرآن کی تعلیم لازمی ہوگی۔ اسلامی اخوت کو فروغ دیا جائے گا۔

زکوٰۃ وقف اور مساجد کا انتظام کیا جائے گا۔ مسلم ممالک سے قریبی تعلقات قائم کئے جائیں گے۔

ہر شہری کو تحریر و تقریر، اجتماع، انجمن سازی، آمدورفت اور مذہبی عبادات کی بجا آوری کی آزادی ہوگی۔ غلامی اور جبری محنت ممنوع ہوگی۔ ہر شخص کو بنیادی ضروریات زندگی یعنی غذا، لباس مکان علاج اور تعلیم فراہم کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ عصمت فروشی، قمار بازی، شراب نوشی اور منشیات خوری ممنوع ہوگی وغیرہ وغیرہ۔

۱۹۵۸ء کا مارشل لاء اور دستور کی تنسیخ

۸ اکتوبر ۱۹۵۸ء کو اسکندر مرزا نے دستور منسوخ کر دیا۔ قومی اسمبلی توڑ دی فیروز خان نون کی وزارت برطرف کر دی اور ایوب خان کو چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر مقرر کر دیا۔

دستور کی منسوخی ایک بہت بڑا المیہ تھی کیونکہ یہ دستور بڑی مصیبتوں سے نو سال بعد بنا تھا۔ دستور کی محرومی نے ملک کو مرحوم جسٹس زیڈ۔ ایچ۔ لاری کے الفاظ میں ایک ایسی کشتی کے مثل بنا دیا جو بتوار کے بغیر دریا کی موجوں کے تھپیڑے کھا رہی ہو۔

۱۹۶۲ء کا دستور

۴۴ ماہ کے بعد ایوب خان نے ایک آئین بنایا اور اسے آٹھ جون ۱۹۶۲ء کو نافذ کیا۔ اس آئین کی سفارشات تیار کرنے کے لئے قبل ازیں جناب جسٹس شہاب الدین کی سربراہی میں ۱۹۶۰ء میں ایک آئینی کمیشن بنایا گیا تھا۔ کمیشن نے ایک مبسوط سوالنامہ کے ذریعے ملک کے اہل الرائے حضرات اور سیاسی

جماعتوں سے آئینی تجاویز طلب کیں۔ اسلام پسند جماعتوں نے لاہور میں مجتمع ہو کر اس مسئلے پر غور و خوض کیا اور آئینی تجاویز مرتب کر کے کمیشن کو ارسال کیں۔ کمیشن نے اپنی آئینی سفارشات صدر ایوب کو پیش کر دیں مگر ان سفارشات کو مسترد کر دیا گیا۔ پھر دوسرا آئینی مسودہ تیار کرایا گیا اور اسے بذریعہ آرڈی ننس نافذ کر دیا گیا یہ آئین ۱۹۵۶ء کے آئین کے ان تمام اوصاف سے خالی تھا جو اسلامی نقطۂ نظر سے اس میں موجود تھیں۔ قرار دادِ مقاصد کو اس کی بنیادوں میں بھی ڈالا گیا تھا۔ مگر اس بنیاد پر جو عمارت تعمیر کی گئی تھی وہ بالکل سیکولر طرز کی تھی۔ صرف اس امر کا اقرار باقی رہنے دیا گیا تھا کہ کوئی قانون قرآن و سنت کے خلاف نہ ہوگا، اور یہ کہ اسلامیات کی تعلیم لازمی ہوگی۔ ۱۹۵۶ء کے آئین کی ایسی تمام دفعات جو اسلامی طرزِ زندگی کے قیام کے لئے مثبت اور ایجابی دفعات کی حیثیت رکھتی تھیں اس آئین سے خارج کر دی گئیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ بنیادی حقوق کو صدر کی مرضی پر موقوف کر دیا گیا کہ وہ جب چاہیں سلب کر لیں یا معطل کر دیں۔ اس دستور کے ساتھ اسلامی نظام کا قیام تقریباً ناممکن ہو گیا۔

۲۰ نومبر ۱۹۶۸ء سے ملک بھر میں بحالی جمہوریت کی خاطر ایوب خان کے خلاف تحریک شروع کر دی گئی۔ یہ صورت حال دیکھ کر انہوں نے ۲۱ فروری ۱۹۶۹ء کو ایک نشری تقریر کی جس میں حزبِ اختلاف کے مطالبات پر غور کرنے کے لئے گول میز کانفرنس منعقد کرنے کا اعلان کیا اور صدارت کے منصب سے دستبردار ہونے کے فیصلے کا اعلان کر دیا۔

۲۵ مارچ ۱۹۶۹ء کو ایوب خان نے اقتدار اس وقت کے بری فوج کے کمانڈر انچیف یحییٰ خان کو منتقل کر دیا۔ ۱۹۷۰ء میں یحییٰ خان نے ملک میں انتخابات کرائے جس میں مغربی پاکستان میں پاکستان پیپلز پارٹی کو اور مشرقی پاکستان میں عوامی لیگ بھاری اکثریت کے ساتھ کامیابی حاصل ہوئی۔ ۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان نے پاکستان سے علیحدگی اختیار کر لی۔ ۲۰ دسمبر ۱۹۷۱ء کو یحییٰ خان نے مارشل لاء کا اقتدار پاکستان پیپلز پارٹی کے صدر ذوالفقار علی بھٹو کے حوالے کر دیا۔

قومی اسمبلی کے ۱۴۶ ارکان میں سے ۱۰۴ پیپلز پارٹی کے تھے۔ حزب اختلاف کے ارکان کی تعداد پیپلز پارٹی کے مقابلے میں بہت کم تھی۔ اس قومی اسمبلی کو ۱۴ اگست ۱۹۷۳ء سے پہلے پاکستان کا نیا آئین تیار کرنا تھا مگر وہ اس مدت سے چند ماہ پیشتر ہی تیار کر لیا گیا۔ اس آئین کی منظوری سے پہلے حزب اقتدار اور حزب اختلاف میں اچھی خاصی کشمکش رہی۔ بالآخر جب حکومت نے آئین کو زیادہ سے زیادہ اسلامی بنانے کی غرض سے حزب اختلاف کی طرف سے پیش کردہ ترمیمات میں سے کچھ کو قبول کر لیا تو ۱۲ اپریل ۱۹۷۳ء کو آئین متفقہ طور پر منظور کر لیا گیا۔ حزب اختلاف کی جو ترمیمات قبول کیں ان کی تفصیل درج ذیل ہے۔

۱۔ مملکت کا مذہب اسلام ہوگا۔ دفعہ (۲)

۲۔ قرآن و سنت کے منافی کوئی قانون نہیں بنایا جائے گا۔ دفعہ (۲۲۷) شق (۱)

۳۔ دستور کے نفاذ کے ۹۰ دن کے اندر اندر اسلامی نظریاتی کونسل کی تشکیل لازمی ہوگی۔ دفعہ (۲۲۸) شق (۱)

۴۔ صوبائی یا مرکزی اسمبلی کی ۲/۵ اقلیت بھی کسی زیر غور قانون کو اسلامی نظریاتی کونسل میں بھیجنے کی مجاز ہوگی۔ دفعہ (۲۲۹)

۵۔ اسلامی نظریاتی کونسل کا مشورہ موصول ہونے سے پیشتر انتہائی ضروری حالات میں کوئی قانون پاس ہو جائے اور کونسل بعد میں رائے دے کہ یہ قرآن و سنت کے منافی ہے تو اس پر لازماً نظرثانی کی جائے گی۔ دفعہ (۲۳۰) شق (۳) کونسل کی آخری رپورٹ کو موصول کے دو سال کے اندر اندر قومی اور صوبائی اسمبلیاں ان قوانین کو کونسل کے مشورے کے مطابق بنانے کی پابند ہوں گی۔ دفعہ (۲۳۰) شق (۴)

متحدہ جمہوری محاذ کی مندرجہ ذیل ترمیمیں قبول نہیں کی گئیں۔

۱۔ کسی قانون کے قرآن و سنت کے منافی ہونے کا فیصلہ عدلیہ کرے گی۔

۲۔ کسی کی جائیداد پر بلا معاوضہ قبضہ نہیں کیا جائے گا۔

اسلامی قانون کا نفاذ۔ ایک دیرینہ آرزو کی تکمیل

مارچ ۱۹۷۷ء میں ملک میں انتخابات کرائے گئے مگر حزب اختلاف نے اپنا متحدہ محاذ قائم کر کے انتخابات

دوبارہ کرانے اور ملک میں اسلامی نظام قائم کرنے کے لئے تحریک چلائی۔ ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو ملک میں مارشل لار لگادیا گیا۔ پھر اس نئی مارشل لار حکومت نے ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ کا تہیہ کر لیا۔ پاکستان کی تہائی صدی کی تاریخ میں پہلی بار حکومت نے اسلامی نظام کے نفاذ کی ضرورت کو صحیح طریقے پر محسوس کیا۔ اس کام کی ضرورت کو محسوس کرنا نہایت قابل قدر بات ہے کیونکہ ملک کی گزشتہ تیس سالہ تاریخ نے یہ بات پوری طرح عیاں کر دی تھی کہ اسلامی نظام کے قیام کے فریضے سے غفلت نے ملک میں جو نظریاتی خلا پیدا کیا ہے اسے صوبائی و نسلی تعصبات اور لادینیت پر رکھی ہے۔ تعصبات اور لادینیت نے اگر اس خلا کو پوری طرح پر کر لیا تو ایک طرف بحیثیت مسلمان اہل وطن کا تشخص مٹ جائے گا دوسری طرف ملک کا سیاسی وجود بھی منتشر ہو جائے گا۔

حکومت نے اس بات کو بھی اچھی طرح سمجھ لیا کہ مارچ سے جولائی تک ملک کے طول و عرض میں جو تحریک چلائی گئی ہے وہ بادی النظر میں بھٹو صاحب کی برطرفی یا الیکشن کے دوبارہ انعقاد کے لئے سہی مگر درحقیقت اس ملک میں نظام مصطفٰے کے قیام کی خاطر تھی۔ جس بات نے اس حقیقت کو ثابت کیا وہ یہ تھی کہ تحریک کو کچلنے کے لئے جب بھٹو صاحب نے تشدد کا حربہ استعمال کرنا شروع کیا اور جلسوں اور جلوسوں میں شریک ہونا موت کو دعوت دینے کے مترادف بن گیا تو اس کے بعد عوام گھروں سے کلمہ پڑھ کر، اپنے اہل خانہ سے قصور معاف کرا کے اور اپنی گردنوں میں قرآن مجید لٹکا کر ان جلوسوں میں شرکت کی غرض سے نکلنے لگے۔ اس نے یہ بات قطعی طور پر ثابت کر دی کہ عوام بھٹو کے خلاف اسلام کی خاطر اور نظام مصطفٰے کی خاطر نبرد آزما ہیں۔

اسلامی قانون کے نفاذ کا کام اس نقطے سے شروع کیا گیا جہاں تک پاکستان کی سابقہ حکومتیں گزشتہ تیس سالوں میں بدقت تمام بلکہ بادل نخواستہ چیونٹی کی رفتار سے پہنچی تھیں۔ گزشتہ سالوں میں صرف اس قدر کام ہوا تھا کہ قرارداد مقاصد پاس کی گئی تھی، تمام قوانین کو قرآن وسنت کی روشنی میں از سر نو وضع کرنا طے کیا گیا تھا اور اس کام کے لئے ایک اسلامی نظریاتی کونسل بنائی گئی تھی۔

حکومت نے اس نقطے سے کام کو آگے بڑھایا۔ سب سے پہلے ستمبر ۱۹۷۷ء میں کونسل مذکور کی تشکیل نو

کی گئی۔ جناب جسٹس ریٹائرڈ افضل چیمہ کی سربراہی میں مولانا ظفر احمد انصاری، جناب خالد اسحاق، مولانا شمس الحق افغانی، مفتی سیاح الدین کاکاخیل، مولانا محمد تقی عثمانی، علامہ جعفر حسین مجتہد وغیرہ اس کونسل کے ارکان مقرر کئے گئے اور انہیں یہ کام سپرد کیا گیا کہ وہ اسلامی قانون کے نفاذ کے لئے ترجیحات مقرر کریں اور قرآن و سنت کے احکامات کی قانون کی شکل میں تدوین کا کام کریں تاکہ ان کا نفاذ عمل میں آسکے۔

کونسل کے مشورے سے حکومت نے اس سلسلے میں مندرجہ ذیل ابتدائی اقدامات کئے۔

۱۔ تمام مروجہ عدالتی قوانین کے لئے اعلیٰ عدالتوں کو اختیار تفویض کیا گیا ہے کہ وہ جن قوانین کو سمجھتے ہوں عدالتی فیصلے کے ذریعے قرآن و سنت کے منافی قرار دیں۔

فیڈرل شریعت کورٹ کو اس امر کا اختیار دیا گیا ہے کہ عوام جس قانون کے بارے میں اس سے رجوع کریں وہ یہ فیصلہ دے کہ وہ قانون قرآن و سنت کے منافی ہے یا موافق؟ مذکورہ دونوں قسم کی عدالتوں کو اس نوع کا اختیار تفویض کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ وہ جس قانون کو قرآن و سنت کے منافی قرار دیں گی اس قانون کے تحت فیصلہ دینے کی کوئی عدالت مجاز نہ رہے گی اور ان قوانین کی جگہ اسلام کے عدالتی قوانین لے لیں گے۔

چنانچہ ملک کے شہریوں کے رجوع کرنے پر ہماری مذکورہ عدالتیں تعزیرات پاکستان اور ضابطہ فوجداری کے متعدد قوانین کو خلاف شریعت قرار دے چکی ہیں۔

۲۔ شراب کی خرید و فروخت قانوناً ممنوع قرار دے دی گئی ہے اور شراب کی دکانیں بند کر دی گئی ہیں۔ اس کا اتنا فائدہ سامنے آچکا ہے کہ شراب کی علانیہ خرید و فروخت بند ہو گئی ہے اور اس کی وجہ سے شراب نوشی میں بلاشبہ قابل لحاظ حد تک کمی واقع ہوئی ہے۔ یہ امر یقینی ہے کہ پرانے شراب خور اگر کسی طرح چوری چھپے اپنا یہ مذموم شغل جاری رکھنے میں کامیاب رہے جب بھی ان کی یہ خو نئی نسل کو منتقل نہ ہو سکے گی۔

۳۔ اسلام کے عدالتی قوانین میں سے ایسے قوانین کو جنہیں حدود کہتے ہیں، ان میں سے چار قوانین کو ۲۲ مارچ ۱۹۷۹ء سے نافذ کر دیا گیا ہے۔ یہ زنا، تہمت زنا (قذف)، چوری و ڈاکہ زنی اور شراب نوشی کے ارتکاب پر قرآن و سنت کی مقرر کردہ سزائیں ہیں۔ ان جرائم پر مقدمہ چلانے کے لئے خصوصی عدالتیں قائم

کی گئیں ہیں جو فیڈرل شریعت کورٹ کہلاتی ہیں۔ ان کا مرتبہ ہائی کورٹ کے مساوی ہے اور یہ عدالتیں ہائی کورٹ کے منتخب ججوں پر مشتمل ہیں۔

شریعت کورٹ کے فیصلوں کے خلاف اپیلوں کی سماعت کے لئے ایک شریعت اپیل بنچ قائم کی گئی ہے جو سپریم کورٹ کے ہم مرتبہ ہے اور سپریم کورٹ کے ججوں پر مشتمل ہے۔

۴۔ نظام زکوٰۃ کو قائم کرنے کے لئے ملک بھر میں گاؤں، تحصیل، ضلع، صوبہ اور مرکز کی بنیاد پر کمیٹیاں قائم کی گئی ہیں جن میں عوام میں سے نمائندے منتخب کئے گئے ہیں۔ ان کمیٹیوں کو صاحب نصاب سے زکوٰۃ وصول کرنے کا اختیار دیا گیا ہے اور ان وصول کردہ رقم مستحق افراد میں تقسیم کرنے کا اختیار بھی دیا گیا ہے۔ حکومت نے راست طور پر خود اپنے اہتمام میں بھی بینک کے کھاتہ داروں سے زکوٰۃ وصول کی ہے۔ مستحقین میں اس کی تقسیم کا کام بھی شروع کر دیا گیا ہے۔ سردست چار قسم کے افراد کو زکوٰۃ کے مستحقین کی فہرست میں شامل کیا گیا ہے۔ یعنی یتیم۔ بیوہ، جسمانی معذورین اور دینی مدارس کے طلباء علاوہ ازیں حکومت نے اپنی طرف سے اس فنڈ میں سوا دو ارب روپے کی خطیر رقم دی ہے قوی امید ہے کہ آنے والے برسوں میں جب اہل وطن اس نظام کی برکات کو دیکھیں گے تو خود اپنی مرضی سے خود زکوٰۃ نکالنا شروع کر دیں گے اور ان کے اموال باطنہ کی زکوٰۃ بھی بحال حکومت کو حاصل ہونے لگے گی۔

۵۔ اوقات صلوٰۃ کے لئے ملک بھر کے سرکاری اور غیر سرکاری دفاتر کو ہدایت جاری کی گئی ہے کہ وہ دفتری اوقات کار میں وقفہ دیں اور اس وقفہ میں نماز با جماعت کا اہتمام کریں۔ اس ہدایت پر عمل کرانے کے لئے سرکاری طور پر اب تک کسی قسم کی سختی نہیں کی گئی ہے اور نہ ہی محاسبہ کیا گیا ہے کہ اس ہدایت پہ عمل درآمد کی کیفیت کیا ہے مگر ایک عام آدمی بھی جسے سرکاری دفاتر سے سروکار رہتا ہو یہ چشم خود دیکھ سکتا ہے کہ بہت سے دفاتر اس ہدایت پر بڑی خوش دلی کے ساتھ عمل درآمد ہو رہا ہے۔

۶۔ روزہ اسلام کا تیسرا بنیادی رکن ہے۔ اب سے پہلے بھی بلاشبہ حکومت عامۃ الناس سے روزے کا احترام کرواتی رہی ہے اور کھلے عام یا سرراہ کھانا پینا ممنوع رہا ہے مگر ہوٹلوں نے روزہ

خوروں کو ایک زبردست جائے پناہ مہیا کر رکھی تھی جس کے دروازوں پر رمضان کے مہینے میں پردے آویزاں کر دیئے جاتے تھے اور ان پردوں کے پیچھے خورد و نوش کا شغل عام دنوں سے زیادہ جاری رہتا تھا یہ پردے روزہ نہ رکھنے کے لئے ترغیب کا سبب بنا کرتے تھے مگر اب رمضان کے ایام میں تمام ہوٹل حکماً بند رکھے جاتے ہیں۔ اس لئے ان ایام میں روزہ رکھنا روزہ نہ رکھنے سے زیادہ باعث آسودگی ثابت ہونے لگا ہے۔

۷۔ سودی کاروبار جو اسلام کے بنیادی محرکات و ممنوعات میں سے ہے، اسے مٹانے کے لئے مخصوص اقدامات روبہ عمل لائے جا رہے ہیں۔ اس ضمن میں ایک قدم یہ اٹھایا گیا ہے کہ ہاؤس بلڈنگ فنانس کارپوریشن کی جانب سے تعمیر مکان کے لئے دیئے جانے والے قرضوں پر سود کی وصولیابی ممنوع قرار دے دی گئی ہے۔ اس کی جگہ پر متبادل اسکیم وضع کی گئی ہے کہ ان قرضوں سے تعمیر ہونے والے مکان کی تعمیری لاگت کا اور اس کے ماہوار کرایہ کا تعین کیا جائے گا۔ ہاؤس بلڈنگ فنانس کارپوریشن کل تعمیری لاگت میں سے اپنے جاری کردہ رقم کی نسبت سے اپنا حصہ ماہوار کرایہ کی رقم سے وصول کیا کرے گی۔ یہ گویا شرکت کا اصول ہوا۔ پھر جب اس کا قرضہ اسے واپس مل جائے گا تو وہ مکان کے کرایہ کی رقم سے دست کش ہو جائے گی۔

دوسرا اقدام اس ضمن میں یہ کیا گیا ہے کہ نیشنل انوسٹمنٹ ٹرسٹ (N.I.T) اور انوسٹمنٹ کارپوریشن آف پاکستان کے منافع کو اب حقیقتاً سود سے پاک کر دیا گیا ہے لہٰذا ان اداروں میں سرمایہ کاری کرنا شرکت و مضاربت کے کاروبار میں شرکت کرنا ہے جس میں اب ہر شخص بلا تکلف شرکت کر سکتا ہے۔

بلا سود معیشت رائج کرنے کے لئے تیسرا اقدام تیاری کے مراحل میں ہے اور وہ یہ ہے کہ بینکاری کے پورے نظام کو سودی کاروبار کی بنیادوں سے اکھیڑ کر شرکت و مضاربت کے اصولوں پر کھڑا کیا جائے

اگر ہمارے ماہرین نے بلا سود معیشت رائج کرنے کا کام خلوص دل اور محنت کے ساتھ کیا تو چند برسوں میں عامۃ الناس اس کا فائدہ محسوس کریں گے کیونکہ سودی معیشت کے بارے میں ساری دنیا یہ بات اب ماننے لگی ہے کہ یہ نظام دولت کو عامۃ الناس کی جیبوں سے کھینچ کر چند ہاتھوں میں

مرتکز کر دیتا ہے۔ یہ محض خیال نہیں حقیقت ہے جسے دنیا میں ہر جگہ بہ چشم سر دیکھا جا سکتا ہے۔ یہودیوں کی جیبوں میں دنیا کے کونے کونے سے دولت جو کھینچ کر جمع ہو رہی ہے وہ ان کے سودی کاروبار کا ہی کرشمہ ہے۔ وہ اس میں حصہ لینے میں سب سے پیش پیش تھے اس لئے سب سے زیادہ دولت انہوں نے اکٹھی کی اس ظالمانہ نظام کو دنیا کے ہر خطے سے مٹایا جانا چاہیئے۔ کہیں اور سے نہیں مٹتا تو کم سے کم مسلم ممالک سے ضرور ختم ہونا چاہیئے کیونکہ ہمارے نزدیک یہ شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ ہے

۸۔ عریانیت کی حوصلہ شکنی کے لئے ٹیلی ویژن پر رقص کی ممانعت کر دی گئی ہے۔

۹۔ خلفائے راشدین اور اہل بیت کی شان میں گستاخی کرنے کی سخت ممانعت کر دی گئی ہے اس مقصد کے لئے آئین کی دفعہ ۲۹۸ میں اضافہ کیا گیا ہے جس کے بموجب گستاخی کرنا قابل تعزیر جرم قرار دیا گیا ہے۔ گستاخی کے مرتکبین تین سال قید با مشقت یا جرمانے یا دونوں کے مستوجب ہوں گے۔

اسلامی قانون کے ماہرین پیدا کرنے کے لئے قائداعظم یونیورسٹی، اسلام آباد میں ایک شریعت فیکلٹی قائم کی گئی ہے جو اب جامعہ اسلامیہ میں منتقل ہو گئی ہے۔

۱۱۔ اس سلسلے میں سب سے بڑا کام جو ہوا ہے وہ یہ ہے کہ صدر مملکت نے علماء کانفرنس منعقدہ اسلام آباد میں اعلان کر دیا ہے کہ ملک میں اسلامی نظام کا قیام ان ۲۲ نکات کی مطابقت میں کیا جائے گا جو ملک کے مختلف مکاتب فکر کے ۳۱ اکابر علماء نے ۱۹۵۱ء میں مدون کئے تھے۔ یہ ۲۲ نکات بلاشبہ پاکستان کو ایک فلاحی اسلامی مملکت بنانے کے لئے بہترین رہنما کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اسلامی نظام کے قیام کی طرف کئے جانے والے ان اقدامات کو پورے عالم اسلام میں تحسین اور پسندیدگی کی نظر سے دیکھا جا رہا ہے اور پورا عالم اسلام اس کی کامیابی کا آرزومند ہے۔ عالم اسلام کے چوٹی کے ماہرین قانون، ججوں اور علماء کرام نے اس کام کے لئے اپنا دست تعاون بڑھایا ہے سعودی عرب، شام، اردن، سوڈان، اومان، کویت، انڈونیشیا، بھارت، ایران اور دیگر متعدد ممالک کے ماہرین اس کام کو دیکھنے کے لئے اور اپنی صدق دلانہ خدمات پیش کرنے کے لئے پاکستان تشریف لا چکے ہیں اور اس کام کو دیکھ کر بیرون پاکستان کے علماء کرام اور ماہرین قانون کا حوصلہ اس قدر بڑھا ہے

کہ انہوں نے اکتوبر ۱۹۷۹ء کے مہینے میں اسلامی کانفرنس کے زیر اہتمام منعقد ہونے والی سہ روزہ شریعت کانفرنس منعقدہ اسلام آباد میں یہ سفارش کی ہے کہ دنیا بھر کے مسلمان ماہرین قانون اور علماء کرام پر مشتمل مستقل بنیادوں پر ایک اسلامی قانون کمیشن بنایا جائے جو دنیا کے ہر خواہشمند مسلمان ملک کے لئے قانون کی تدوین کا کام کرے۔

مگر نظریاتی تبدیلی کا کام مار دھاڑ اور قتل و غارت گری کے ذریعے نہیں ہو سکتا تاکہ چند ہفتوں میں سے انجام دے کر تبدیلی لائی جائے۔ نظریاتی تبدیلی کا کام ایک صبر آزما کام ہے جس کے لئے وقت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لئے برس دو برس میں اس سے ثمر آوری کی توقع کرنا بڑی عجلت پسندی ہوگی۔